# آزاد کے افسانے

مرتبہ

محمد قاسم صدیقی

ناز پبلشنگ ہاؤس ۔ دہلی

عزیز بھائی کے نام

جن کے

الہلال اور البلاغ کے پرچے چرا کر

اس کو ترتیب دیا

مرتب :- محمد قاسم صدیقی

ناشر :- ناز پبلشنگ ہاؤس. پہاڑی بھوجلہ دہلی

قیمت :- ایک روپیہ پچاس نئے پیسے

مطبوعہ :- کوہ نور پریس دہلی

# شہیدِ رسم

وہ ایک غریب بنگالی خاندان کی لڑکی تھی اس کے ماں باپ شادی کی فکر میں تھے لیکن رسم و رواج کی ملعون زنجیروں سے عاجز آ گئے تھے کیونکہ جہاں اس کی نسبت لگی تھی وہ رسم کے مطابق تین ہزار روپیہ طلب کرتے تھے بنگالیوں میں اور (شاید اکثر ہندوؤں میں) رسم ہے کہ شادی کے موقع پر لڑکی والوں کو ایک بہت بڑی رقم لڑکے والوں کو دینی پڑتی ہے لیکن ہندو قانون وراثت نے بدنصیب لڑکیوں کو بالکل محروم کر دیا گیا ہے یہ رسم شاید اسی مصلحت سے تھی لیکن اب اس کا تسلط اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ہر لڑکی کا باپ اسی کی شادی کے موقع پر لڑکے والوں کا بدترین غلام بن جاتا ہے اور اس کی زندگی کا فیصلہ ان کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے اچھے لڑکے کی جس قدر تلاش ہوتی ہے اتنی ہی اس کی قیمت بھی بڑھتی جاتی ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لڑکے والے طرف ثانی کی احتیاج محسوس کر کے قیمت اور بڑھا دیتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ لڑکی کا وجود ایک غریب بنگالی خاندان کے لیے بربادیوں اور پامالیوں کا ذریعہ بن گیا ہے کتنے ہی خاندان ہیں جنہوں نے صرف ایک لڑکی کی شادی کر کے اپنی تمام زمین و جائداد ضائع کر دی تھی اور مدت العمر کے لیے فقر و فاقے کی مصیبتوں میں ایڑیاں رگڑتے

# پیش لفظ

مولانا آزاد کے انتقال کے بعد جب ان کی چیزیں پڑھنے کا شوق ہوا تو "الہلال" "البلاغ" کے فائلوں میں یہ افسانے بھی نظر سے گذرے جی چاہا کہ انھیں ترتیب دے لیا جائے۔ چنانچہ میں نے انھیں ایک جگہ اکٹھا کر لیا۔ اسی زمانے میں یہ بحث چلی کہ "الہلال" میں بہت سی چیزیں مولانا کی اپنی نہیں ہیں۔ مولانا شیخ آبادی جو مولانا آزاد کے رفیق کار تھے زندہ تھے میں ان سے ملا۔ انھوں نے جن چیزوں کو یہ بتایا کہ ان کا تعلق مولانا آزاد سے ہے میں آج ان ہی کو شامل کر رہا ہوں۔ ان کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا بہت اچھا ترجمہ کرتے تھے۔ اس بات کا ثبوت چراغ حسن حسرت مرحوم کی تحریر سے بھی ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"الہلال دوسری مرتبہ نکلا تو اس کے لئے مولانا نے خود انگریزی کے بہت سے مضامین کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ اس قدر پاکیزہ تھا کہ اسے دیکھ کر ان کی تعداد اور صلاحیت پر حیرت ہوتی ہے۔"

ان افسانوں کے بارے میں یا مولانا کی تحریر کے بارے میں کچھ کہنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ یہ خود آپ اپنی زبان ہیں۔

میں محترم صدر صاحب کا خلوص دل سے ممنون ہوں جنھوں نے اتنے عرصے کے بعد میری اس آرزو کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا

محمد قاسم

اور کچھ زمین تھی کوشش کی کہ اس کو گروہ رکھ کر روپیہ حاصل کریں مگر اس کی بھی اچھی قیمت کسی نے نہ لگائی یہ حالت دیکھ کر اس نے اپنی نسبت ایک منتہی فیصلہ کر لیا اس نے اپنے دل سے پوچھا کہ اگر ماں باپ میری خاطر نقیر و محتاج ہو جانے کے لیے تیار ہیں تو کیا میں اپنی تمام قوم کو اس بدترین رسم سے بچانے کے لیئے کچھ نہیں کر سکتی ؟

اس کے سامنے زندگی کی دل فریبی تھی اور شباب و جوانی کی قدرتی آرزوؤں کا عزم شکن چہرہ مگر اس نے ان دونوں کے خلاف فیصلہ کیا۔ اور عورت نازک اور ضعیف عورت خاموش اور ایک پتنگے کے گر جانے سے ڈر جانے والی عورت غرضکہ عورت کے دل کا فیصلہ ایک ایسی عظیم الشان طاقت ہے جس کو سمندر کی تہا ر موجیں پہاڑوں کی عریض و طویل چٹانیں زمین کے خارا شگاف زلزلے اور بادشاہوں اور فوجوں کے حملے بھی نہیں توڑ سکتے اس کا دل دنیا کا ایک طلسم محض ہے جس کے بعید آج تک نا معلوم ہیں۔

بالآخر ایک دن صبح کو اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا تو سنہو میلتا کی متنفارشکراہٹ کی جگہ اس کے جسم شباب کے جلے ہوئے اعضا اور جسم سوختہ کا غبار خاکستر اپنے چہرے سے انسان کی خود پرستیوں پر ہنس رہا تھا اس کے بستر پر ایک تازہ لکھا ہوا خط نظر آیا جس کی سیاہی خشک ہو چکی تھی

رہے سرزمین بنگال نے پچھلی ایک صدی میں بہت سے اولوالعزم
مصلح پیدا کیے مگر کوئی بھی اس زنجیر سے اپنی قوم کو نجات نہ دلا سکا۔ راجہ رام
موہن رائے نے بہت اچھی تبلیغ کی، بپن پال، ٹاگور اور کیشب
چندر سین نے صغیر سنی کی شادی کے خلاف تمام عمر دھکے کھائے پر اس دشمن
حیاتِ ملت کو کوئی بھی شکست نہ دے سکا۔

جبکہ بڑے بڑے اولوالعزم اپنے علم و فضل، قوت و عملیت اور
جہاد و مساعی کی فوجوں کے ساتھ ناکام رہ چکے تو ایک غریب خاندان کی
یکسن لڑکی جس پر رسمِ آبادِ ہند کی صرف سترہ گرمیاں گزری تھیں تن تنہا اٹھی
اس کے پاس اس دشمن کے مقابلہ کے لئے کچھ بھی نہ تھا تاہم جس کام
کو بڑے بڑے معلم تمام عمر زندہ ہو کر نہ کر سکے اسے پندرہ سالہ
جمالِ آتشیں نے خود اپنے جسمِ نوشگفتہ کو جلا کر ایک لمحہ کے اندر
پورا کر دیا۔

آہ دنیا کی گمراہیوں اور بدیوں سے لڑنے والو اس میدان میں
ایک ہی اسلحہ روحانی ہے اور اسی سے تمہارا ہاتھ خالی ہے آؤ کہ اس
درس گاہ تغافل نہ ذود فروش کا ہاتھ ایک ہفدہ سالہ حسن صداقت
کا سبق دے۔

اس کو معلوم ہوا کہ میرے ماں باپ کسی اونچی جگہ میری شادی
کی فکر میں ہیں مگر ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے پاس صرف زندہ
رہنے کے لئے کچھ ہے قربان کر دیں ان کے پاس رہنے کا ایک مکان

9

یکم مئی ۱۸۰۹ء میں نپولین آسٹریا میں جنگ کر رہا تھا ۲۳ اکتوبر کو جبکہ وہ اپنی فتح مند فوجوں کا معائنہ کر رہا تھا ایک میدان کے ایک گوشے سے ایک خوبصورت نوجوان نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ نپولین کی طرف بڑھنے لگا مارشل بربیہ کی نظر اس پر پڑی اور اس نے اسے روک کر کہا۔

اگر شہنشاہ کو کوئی درخواست دینی چاہتے ہو تو مجھے دیدو میں پیش کردونگا نوجوان نے جواب دیا میں خود نپولین سے ذاتی گفتگو کرنا چاہتا ہوں"

یہ کہہ کر نوجوان پیچھے ہٹا مارشل نے خیال کیا کہ وہ واپس جا رہا ہے مگر اس کے مڑتے ہی نوجوان نے پھر آگے بڑھنا شروع کیا مارشل کو شک ہوا اور اس نے ایک افسر کو حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے لے جائے

یہ واقعہ کسی نے نہیں دیکھا سب فوج کے قواعد کے تماشے میں مصروف تھے تھوڑی دیر بعد افسر نے واپس آکر مارشل کو خبر دی کہ نوجوان کی جیب میں خنجر نکلا ہے جو ایک سفید کاغذ میں لپٹا ہوا تھا۔

جنگی قواعد ختم ہونے کے بعد مارشل نوجوان کو دیکھنے گیا کیا دیکھتا ہے کہ وہ چارپائی پر پڑا ہے اس کے سامنے ایک عورت کی تصویر بوٹ یا پتا سکے رکھے ہیں۔

مارشل نے سوال کیا۔

تاکہ ہر لفظ سے سیلاب اشک جاری کرائے۔

"میرے پیارے باپ! میں گوارا نہیں کر سکتی کہ آپ
مجھے زندگی کا عیش دے کر خود فقیر اور بیکس ہو جائیں
آپ نے مجھے کس محبت سے پالا اور پرورش کیا؟
اب میں کیونکر گوارا کروں کہ آپ مجھ پر قربان
ہو جائیں؟

بہتر ہے کہ میں خود ہی جل کر قربان ہو جاؤں۔
میں اس بدترین رسم پر اپنے تئیں قربان کر رہی ہوں
جس نے ہزاروں گھروں اور خاندانوں کو ہلاک کر دیا ہے
یہ آگ کا شعلہ جو میرے جسم سے اٹھے گا اگر خدا نے
چاہا تو تمام ہندوستان میں بھڑک اٹھے گا اور اس
رسم کو بالآخر جلا کر چھوڑے گا جو غریب لڑکیوں کو اپنے
شوہروں سے ملنے نہیں دیتی۔

ز الہلال مارچ ۱۹۱۴ء

تمہاری عمر۔
اٹھارہ برس
خنجر سے کیا کرنا چاہتے تھے
آپ کو قتل۔
تم دیوانے ہو؟
ہرگز نہیں۔
بیمار ہو۔
نہایت تندرست ہوں
مجھے کیوں قتل کرنا چاہتے تھے۔
کیونکہ تم نے میرے وطن کو بدبخت بنا دیا ہے۔
کیا میں نے تمہارے ساتھ بھی کچھ برائی کی ہے۔
ہاں میرے ساتھ بھی اور ہر جرمن کے ساتھ بھی۔
تمہیں اس جرم کے لئے کس نے بھیجا ہے؟
کسی نے بھی نہیں میں خود اپنے اس اعتقاد سے آیا ہوں کہ
تمہیں قتل کر کے اپنے وطن اور تمام یورپ کو تمہارے شر سے
نجات دیدوں گا۔
آج سے پہلے بھی تم نے مجھ کو دیکھا تھا۔
ہاں ارفرٹ میں۔
اس وقت بھی میرے قتل کا ارادہ تھا؟

تمہارا نام کیا ہے۔

صرف نپولین کو بتاؤں گا۔

تم اس خنجر سے کیا کرنا چاہتے ہو۔

نپولین کو بتاؤں گا۔

شہنشاہ کی جان لینا چاہتے تھے؟

ہاں۔

کیوں

نپولین کو جواب دوں گا۔

چند منٹ کے بعد نپولین کو اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اس نے نوجوان کو اپنے سامنے طلب کیا نوجوان کی منکیں سی تھیں نپولین کے سامنے پہنچ کر وہ ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔

نپولین: تم فرنچ جانتے ہو۔

نوجوان: بہت کم۔

"نام؟"

فریڈریک شاپس

وطن

جرمن

باپ کا پیشہ

پروٹسٹنٹ پادری۔

نپولین کو لڑکے کی جرأت پر ازحد تعجب ہوا تاہم اس نے پھر گفتگو شروع کی
تم سخت ناسمجھ اور ناعاقبت اندیش ہو اپنے اور اپنے خاندان کے دشمن ہو
تاہم میں جان بخشی کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم ندامت کرو اور معافی چاہو۔
ندامت، معافی! ہرگز نہیں! ہرگز نہیں البتہ مجھے اپنی ناکامی پر افسوس ضرور ہے۔

تم شاید جرم کو کھیل سمجھتے ہو۔

ہیں تمہارا قتل جرم نہیں! مقدس فرض ہے۔

تمہارے پاس سے یہ کس کی تصویر برآمد ہوئی۔

میری محبوبہ کی۔

وہ تمہاری جان پر رنجیدہ ہوگی۔

نہیں بلکہ وہ میری ناکامی پر رنجیدہ ہوگی۔

وہ بھی تم سے ویسی ہی نفرت کرتی ہے جیسی میں۔

اگر میں معاف کر دوں تو احسان مانو گے؟

ہرگز نہیں بلکہ دوبارہ قتل کرنے کی کوشش کروں گا۔

نپولین کو نوجوان کی دلیری پر حیرت ہوئی اور افسوس کے ساتھ گردن مارنے کا حکم دیدیا۔

ہرگز نہیں میں سمجھتا تھا تم پھر کبھی جرمنی پر اعلان جنگ کرو گے
اس وقت میں تم سے محبت کرتا تھا۔
یہاں وائنا میں کب سے ہو۔
دس دن سے
اتنے دن خاموش کیوں رہے؟
آج سے پہلے کوئی مناسب موقع نہیں ملا۔
میں پھر پوچھتا ہوں دیوانے ہو یا بیمار۔
دونوں میں سے کوئی بھی نہیں۔
میں بکور فیرار کو بلاتا ہوں۔
یہ کون شخص ہے
ڈاکٹر
لیکن مجھے ڈاکٹر کی مطلق ضرورت نہیں۔
تمام حاضرین پر خاموشی طاری ہوگئی۔ یہاں تک کہ ڈاکٹر
آ گیا۔ مریض دیکھی جوان نے کہا۔
کیوں ڈاکٹر میں بالکل تندرست ہوں۔
ڈاکٹر نے نپولین سے عرض کیا۔
یہ بالکل تندرست ہے نوجوان نے خوش ہوکر نپولین سے
کہا۔
میں نے پہلے عرض کر دیا تھا۔

علیؓ کی حسینؓ کی اور ان کے خاندان کی حمایت کریں اور اس کے پیچھے ڈٹ کر
خوار کر دے۔

اِنّ الامام اخو النبی محمد
علم الہدیٰ ومنارۃ الایمان

امام (یعنی علی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں) ہدایت
کی نشان اور ایمان کا منارہ ہیں۔ ہاں قسم خدا کی سودہ نے فوراً جواب دیا
میرا جیسا آدمی نہ حق سے منہ پھیر سکتا ہے نہ جھوٹ بول کر معذرت
کر سکتا ہے وہ میں ہی تھی۔

تم نے یہ حرکت کیوں کی تھی؟ امیر معاویہ نے سوال کیا۔
علی علیہ السلام کی محبت اور اتباع حق کی وجہ سے سودہ کا جواب تھا
لیکن علی نے تمہیں کیا بدلہ دیا۔ امیر نے پھر سوال کیا۔
پچھلی باتوں کے تذکرے سے کیا فائدہ؟ سودہ کا جواب تھا۔

ہیہات! امیر معاویہ نے کہا کہ تمہارے بھائی کا معاملہ بھلایا نہیں جا
سکتا۔ مجھے کسی سے بھی اتنی تکلیف نہیں پہنچی جتنی تمہارے بھائی اور تمہاری
قوم سے پہنچی تھی۔

"سچ ہے" سودہ نے جرأت سے کہا میرا بھائی حقیر آدمی نہ تھا کہ بھلا دیا
جا سکے۔ وہ تو ویسا ہی تھا جیسا خنساء نے اپنے بھائی صخر کے بارے میں کہا ہے

وان صخراً لتأتم الہداۃ بہ
کانہ علم فی راسہ نار

# سودہؓ بنت عمارہ

سودہؓ بنت عمارہ حضرت علی علیہ السلام کے جانثاروں میں
تھی جنگ صفین میں اس کے حق پرجوش اور رجزیہ شعروں نے شامیوں
پر عرصہ کار زار تنگ کر دیا تھا اس کے بھائی نے نہایت بامردی سے
شاہی شجاعوں کو شکست دی تھی۔

جب امیر معاویہؓ تخت سلطنت پر متمکن ہوگئے تو ایک بار اپنے
قبیلے کی شکایت لے کر دربار میں پہنچی یہ وہ وقت تھا کہ خلافت راشدہ
کا دور حریت ختم ہو چکا تھا اور امیر معاویہ رومی و ایرانی شہنشاہیت کے
جاہ و جلال سے تخت خلافت کو روشناس کر چکے تھے پھر بھی اسلام
کی پیدا کی ہوئی روح حریت کا یہ حال تھا کہ قبائل کی ایک معمولی بڑھیا
عورت دربار ظاہر کرتی تھی امیر کی نظر جب سودہ پر پڑی تو بے اختیار
بول اٹھے کیا تم ہی وہ سودہ ہو جو صفین کی لڑائی میں میری جماعت کے
خلاف نہایت جوش و خروش سے یہ اشعار سنا رہی تھیں۔

شمر کفعل ابیک یا ابن عمارہ
یوم الطعان وملتقی الاقران
اے فرزند عمارہ نبرد آزمائی اور جنگجوئی میں اپنے باپ کے کارنامے [illegible]
وانصر علیا والحسین ورھطہ
واقصد لھند وابنھا بھوان

فلا حالف الحق لا ینبغی بہ بدلا
فصار بالحق والایمان مقرونا

وہ ہمیشہ حق کے ساتھ تھا، اسے کبھی نہیں چھوڑتا تھا اس کا نام حق و
ایمان کے ساتھ ہمیشہ کے لیئے جڑ گیا ہے۔

یہ کون ہے؟ امیر نے انجان بن کر سوال کیا۔

علی ابن طالب علیہ السلام" سودہ کا برجستہ جواب تھا۔

اس نے تیرے ساتھ کیا کیا کہ تیری نظر میں ایسا بن گیا" امیر نے
پوچھا انھوں نے ہم سے صدقہ وصول کرنے کے لیے ایک شخص کو
مقرر کیا تھا،" سودہ نے کہا میرے اور اس شخص کے درمیان جھگڑا
ہو گیا میں اس کی شکایت لے کر امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئی
آپ اس وقت نماز کے لئے کھڑے ہوئے تھے مجھے دیکھتے ہی نماز
چھوڑ دی اور بڑے ہی لطف و نرمی سے میرا حال پوچھا میں نے تمام
واقعہ بیان کر دیا آپ سنتے ہی رونے لگے پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر
فرمایا خدایا تو مجھ پر اور میرے اعمال پر گواہ ہے میں نے انھیں تیری
مخلوق پر ظلم کرنے کا حکم نہیں دیا اس کے بعد اپنی جیب سے ایک
کھال کا ٹکڑا نکالا اور اس پر لکھا تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے
پاس روشنی آ چکی ہے لہٰذا ناپ تول ٹھیک کرو لوگوں کا حق نہ مارو
زمین پر فساد برپا نہ کرو اللہ کا بقیہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے میں تم پر
محافظ نہیں ہوں میری یہ تحریر پڑھنے کے بعد جو کچھ تیرے ہاتھ

مخزوہ ہے جس کی پیروی رہبر کرتے ہیں گویا پہاڑ ہے جس کی چوٹی پر آگ روشن ہے سچ ہے تیرا بھائی ایسا ہی تھا میرے نصدیق کی اچھا کہو میرے پاس کیوں آئیں تم اب آدمیوں کے سردار اور ان کے معاملات انجام دینے والے بنگئے ہو سودہ نے کہا۔

خدا تم سے ہماری بابت اور ہمارے حقوق کی بابت سوال کرے گا تمہاری طرف سے ہمارے یہاں ایسے احکام آتے رہتے ہیں جو تمہاری بدگمت پر گھمنڈ کرتے اور تمہاری قوت سے جاری کرتے ہیں ہم اس طرح کاٹ رہے ہیں جس طرح کھیتی کاٹی جاتی ہے یہ ہمیں ذلیل کرتے ہیں ہم سے بدسلوکی کرتے ہیں تمہارا والی بسر بن ارطاۃ تمہاری طرف سے آیا اور میرے آدمی مار ڈالے اور میرا مال چھین لیا۔ اور مجھے ایک ایسی بات کہنے پر مجبور کرنا چاہا جو میرے منہ سے نکلنا ناممکن ہے (یعنی حضرت علی علیہ السلام سے بیزاری) اگر اطاعت واجب نہ ہوتی تو ہمارے اندر بھی قوت استعداد تھی بہرحال اسے معزول کردو اور ہمارے شکریہ کے مستحق بنو ورنہ ہم پھر تمہیں دکھا دیں گے۔

تو مجھے دھمکاتی ہے میرے کہا میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ تجھے سرکش اونٹ پر بٹھا کر بسر ابن ارطاۃ کے پاس بھیجدوں تاکہ جو سزا چاہے دیدے۔

سودہ نے سر جھکا لیا پھر سر اُٹھایا اور یہ شعر پڑھے ؎

صلی الاله علی جسم تضمنه قبر فاصبح فیه العدل مدفونا

خدا کی رحمت اس جسم پر جسے قبر نے چھپا لیا ہے اور عدل اس میں مدفون ہوا ہے۔

# قمار باز

طامس ایک سنگدل قمار باز رات کو گھر سے نکلا جس طرح قطب نما کی سوئی ہمیشہ قطب کی طرف رہتی ہے اسی طرح قمار باز کا دل بھی قمار خانہ سے ہٹ نہیں سکتا تھا لیکن عین اسی وقت اس گھر میں ایک اور دل بھی تھا جس کی محبت کی سوئی بالکل اسی طرح طامس کے ہر دل کی طرف پھری رہتی تھی۔

اس کی بیوی نے اپنے شیرخوار بچے کی طرف دیکھا جس کو صبح سے دودھ کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوا تھا کیونکہ خود اس کی اس پر فاقہ کی دو شامیں گذر چکیں تھیں وہ بلک رہا تھا لیکن اس نے جلد ہی اس کی طرف سے آنکھیں پھیر لی اور ان پر اب آنکھوں سے جن میں حسرت و مایوسی کے آنسو بھرے ہوئے تھے طامس کی طرف دیکھا۔

آہ! عورت کی نظر جبکہ اس مایوسی میں ہو۔ آہ وہ فطرت عالم کی حکمران جیل جس کی نگاہ ہر امیدوں اور مایوسی کی بخشش گاہ ہے کون دیکھ سکتا ہے کہ خود کسی نگاہ سے رحم و طلب کی طالب ہو۔

لیکن طامس نے اس کی نگاہ امید طلب اور اشک ادخواہ کی حقارت کی اس عنبے پروائی سے اسے ٹھکرا دیا وہ سوچنے لگی کہ یہی بے ہر اشک محبت سے نا آشنا آنکھیں تھیں جنھوں نے اب سے پانچ سال پہلے ایک ایسی ہی رات میں اپنے اشک ہائے محبت سے میرا دامن تر کر دیا

ہیں ہمارا کام ہوا سے محفوظ رکھو یہاں تک کہ وہ شخص پہنچ جائے جو تجھ سے وہ سب وصول کرے یعنی اس حاکم کو معزول کردیا میں نے امیرالمومنین کے ہاتھ سے خط لیا واللہ اس پر انھوں نے نہ تو کوئی مہر لگائی نہ اسے بند ہی کیا میں نے خود اپنی آنکھوں سے اسے حرف بہ حرف پڑھ لیا۔

"ابن ابی طالب نے تمہیں حکام پر جری بنا دیا ہے" امیر معاویہ نے کہا بہت دیر ہوگئی یہ جرأت تم سے دور ہوگی۔

پھر حکم دیا کہ سودہ کا مال واپس کردیا جائے اور اس سے برتاؤ اچھا کیا جائے "یہ حکم میرے لئے خاص ہے یا میری پوری قوم کے لیے" سودہ نے سوال کیا۔

"تجھے دوسروں سے کیا سروکار؟" امیر معاویہ نے کہا۔

"تو واللہ یہ کمینگی اور بدکاری ہے" سودہ نے کہا اگر عدل عام نہیں تو میں اسے قبول نہیں کرتی۔

مجبوراً امیر معاویہ نے حکم دیا کہ اس کے پورے قبیلے کی بابت فرمان لکھ دیا جائے۔

"الہلال" ۱۹۲۷ء

ختم شد

# اروی بنت الحارث

ایک موسم حج میں ضعیف العمر بنت الحارث بن عبد المطلب، امیر معاویہ بن ابی سفیان کے دربار میں حاضر ہوئی۔

"میرے بھتیجے! تو کیسا ہے"؛ اروی نے کہا۔ "تو نے خدا کی نعمت سے کفران کیا اپنے بھائی (یعنی امیر المومنین علی علیہ السلام) کے حق کا لحاظ نہ کیا۔ اپنے نام کے سوا ایک نیا لقب اختیار کیا، دوسرے کے حق پر قابض ہو گیا (یعنی خلافت پر) حالانکہ اسلام میں نہ تو خود تو نے کوئی خدمت کی، نہ تیرے آبا و اسلاف نے تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے انکار کیا تھا اس پہ خدا نے تمہاری قسمتیں بگاڑ دیں تمہیں ذلیل و خوار کیا، حق حقداروں تک پہنچ گیا۔ اللہ کا بول بالا ہوا اگرچہ مشرکوں پہ یہ ظفر مندی بہت شاق تھی اس دین میں ہم اہل بیت کا درجہ اور حصہ سب لوگوں سے زیادہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس حال میں فوت ہوئے کہ مغفور و مرحوم تھے خدا کے حضور میں مقرور پسندیدہ تھے آپ کے بعد ہم اہل بیت کے ساتھ تم نے وہ برتاؤ کیا جو قوم موسیٰ کے ساتھ خاندان فرعون نے کیا تھا کہ ان کے مردوں کو قتل کرتے تھے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہمارا شیرازہ بندھ نہ سکا ہم پہ کوئی سختی بھی آسان نہ ہوئی ہماری انتہا جنت ہے۔ تمہاری انتہا دوزخ ہے۔"

"گمراہ بڑھیا" عمرو بن العاص جو دربار میں موجود تھے بے اختیار پکار اُٹھے اپنی زبان روک، شرم سے آنکھ نیچی کر"

تھا اس نے مجھ سے محبت کی تھی لیکن اس سے رحم کی طالب
ہوں وہ قمار خانہ کی طرف روانہ ہو گیا کاش وہ کسی طرح دیکھ سکتا کہ
یاس و حسرت کی نگاہیں کس طرح اس کا تعاقب کر رہی ہیں ؟
وہ عشق قمار سے بے خود تھا کاش اسے یاد آتا کہ ایک دل ہے جو اسی کی
طرح قمار محبت میں بازی ہار چکا ہے اور اب فتحیاب دشمن کے قبضے
میں ہے صبح کو وہ اٹھی. بچے کو گود میں لیا اور قمار خانے میں آ کر اپنے
گم گشتہ کو تلاش کیا اس کا سر چکرا رہا تھا مگر اس کو سننا پڑا کہ رات کو
پولیس کا ایک گروہ اس کے شوہر کو گرفتار کر کے لے گیا ہے اب اس کی
آنکھیں خشک تھیں سفر حیات کی ایک خاص منزل آنسوؤں کی بھی
تھی مگر وہ اس سے گذر چکی تھی وہ راستہ پوچھتی ہوئی قید خانے کے
دروازے پر آ پہنچی. بچہ اس کی گود میں تھا دروازے کے روزن
سے جھانک کر ڈھونڈنے لگی طوق و زنجیر کی فضا کے صحن میں
وہ کہاں ہے.

کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت اس کے دل میں کیا کیا خیالات
گذر رہے تھے عورت کے دل کو اس گنج مخفی اس طلسم جمیل اس
عقدۂ حسین کے دل کو دنیا میں کون سمجھ سکتا ہے.

"خدا تجھ پر صبح سے پہلے دراز قد خوبصورت ہاشمیوں کی غارت گری نازل کرے"۔
"تیغ براں سے تجھے کاٹے حمزہؓ میرا شیر ہے اور علیؓ میرا بازو ہے۔
وحشی نے بے آبرو کر ڈالی اب فاحشہ عورتوں کے لئے تیرے بعد کوئی فخر باقی نہیں رہا"

"تمہارا برا ہو"! امیر معاویہ نے عمرو بن العاص اور مروان بن الحکم سے کہا "تمہیں نے اس خاتون کو مجھ پر خفا کر دیا اور یہ باتیں سنوائیں"

پھر اروی سے مخاطب ہوئے۔

"پھوپی! اپنی ضرورت بیان کرو، عورتوں کی طرح یہ بکواس بند کرو"

"مجھے دو ہزار، دو ہزار، دو ہزار پورے چھ (۶) ہزار دینار دو" اروی نے مطالبہ کیا۔

"پہلے دو ہزار کس لئے"، امیر نے سوال کیا"۔

"میں حارث بن عبدالمطلب کے خاندان کے لئے کھیتی کی زمین میں کنواں خریدوں گی" اروی نے جواب دیا۔

"تم نے بہت خوب سوچا" امیر نے کہا "اور دوسرے دو ہزار"

"خاندان عبدالمطلب کے نوجوانوں پر"

"بہت خوب! اور تیسرے دو ہزار"

"مدینہ کی گرانی اور زیارت بیت اللہ کے خرچ پر"

"بہت خوب خیال ہے۔ میں نے منظور کیا۔ تمہاری غرض ہمیشہ نظر ہے"۔ امیر نے خوشامد سے کہا اور تھوڑی دیر چپ رہ کر امیر نے پھر سوال کیا۔

"تو کون ہے، تیری ماں مرے! اروی نے خفگی سے کہا

"عمرو بن العاص"۔ لوگوں نے جواب دیا

اروی نے کہا "تو مجھ سے بولنے کی جرات کرتا ہے، اپنے عیب چھپے رہنے دے، اپنی خیریت منا، واللہ تو قریش میں نہ تو خالص حسب نسب رکھتا ہے نہ اچھی صلاحیت کا مالک ہے"۔

"بیوقوف بڑھیا" مروان بن الحکم نے کہا "تیری بینائی بھی تیری عقل کیساتھ جا چکی ہے۔ تیری شہادت معتبر نہیں"۔

"صاحبزادے تم بھی بولے" اروی نے کہا "واللہ حکم سے زیادہ تو سفیان بن الحارث بن کلاہ سے ... مشابہ ہے۔

"پھر وہ معاویہ کی طرف مخاطب ہوئیں"

"واللہ ان لوگوں کو تو نے ہی مجھ پر جرأت دلائی ہے حالانکہ تیری ماں احد کی لڑائی میں حمزہ کے قتل کے بعد یہ کہتی تھی ؎

"ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا لڑائی لڑائی کے دن آگ کی طرح شعلے رکھتی تھی"

عتبہ (ہندہ کا باپ تھا) پر مجھے صبر نہیں ہو سکتا تھا میرا باپ، چچا، بھائی، خسر انہیں میں بھول نہیں سکتی تھی (یہ سب جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے)

اے وحشی (قاتل حمزہ) تو نے میرا دل ٹھنڈا کیا، میری منت پوری کر دی۔

وحشی کا شکر یہ عمر بھر مجھ پر واجب ہے یہاں تک کہ میری ہڈیاں قبر میں غائب ہو جائیں تیری ماں کے جواب میں میں نے کہا تھا:

اے بیوقوف بڑے کافر کی بیٹی! بار بار اور ہر دن میں تجھے رسوائی ملے:

# قربانی

ہجرت کی تیسری صدی کے قریب الاختتام ہے بغداد کے تخت خلافت پر المعتصم باللہ عباسی متمکن ہے معتصم کے زمانے سے دار الخلافے کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہو گیا ہے پھر بھی سرزمین بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں ایران کے اصطخر، مصر کے رمیس اور یورپ کے روم کی جگہ اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق کا جسے انسان کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہے یہ جتنا کم ہوتا ہے اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے اتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی اس کا کم ہونا خود اس کے لیے اور خدا کی زمین کے لیے برکت ہے جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں گھاس پھونس کے چھپر ڈال کر رہتا ہے تو کیسا خوش اور کس درجہ حلیم ہوتا ہے محبت اور رحمت اس میں اپنا آشیانہ بناتی ہے اور روح کی پاکیزگی کا نور اسی لیئے جھونپڑیوں کو روشن کرتا ہے لیکن جوں ہی یہ جھونپڑیوں سے باہر نکلتا ہے اور اس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہو جاتی ہیں خود اس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہو جاتا ہے دولت سر بفلک عمارتیں بناتی ہیں حکومت و امارت شان و شکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے لیکن

" بخدا اگر علی موجود ہوتے تو یہ رقم ہرگز منظور نہ کرتے "

" سچ ہے " اروی نے فوراً جواب دیا " علی امانت ادا کرتا تھا. خدا کے حکموں پر چلتا تھا مگر تو نے اپنی دیانت ضائع کر دی، خدا کے مال میں خیانت کی خدا کا مال غیر مستحقوں کو دے ڈالا خدا نے اپنی کتاب میں حق داروں کے حق مقرر کر کے بیان کر دیئے ہیں مگر تو نے خدا کے حکموں پر عمل نہیں کیا لیکن علی نے ہمیں اپنے حق لینے کے لئے برابر بلایا جو خدا نے ہمارے لئے مقرر کر دیئے ہیں. مگر افسوس تمہاری لڑائی نے انہیں پورا انتظام قائم کرنے کی مہلت ہی نہ دی میں تجھ سے تیرا مال نہیں مانگتا کہ احسان جتاتا ہے میں تو صرف اپنا حق مانگتی ہوں ہم دوسروں کا حق لینا جائز نہیں سمجھتے. آہ! تیرے دانت ٹوٹیں اور تیری مصیبت سخت ہو جائے تو اپنی زبان پر علی کا نام لاتا ہے. !

پھر وہ رونے لگی.

معاویہ نے انہیں چھ ہزار دینار دیدیئے اور کہا

" پھوپھی اسے جس طرح چاہو خرچ کرو پھر جب کبھی ضرورت پڑے اپنے بھتیجے کو لکھنا وہ ہر طرح تمہاری مدد کرے گا.

" الہلال " ۱۹۲۷

جس نے اپنی بے رحمی اور تغافل سے مفلس کو چوری پر اور نیک انسانوں
کو بد اطوار بن جانے پر مجبور کر دیا تھا قانون کا پُر ہیبت جبّہ پہن کر آتا ہے
اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر حکم دیتا ہے
کہ مجرم کو سزا دی جائے کیوں؟ اس لیے کہ اس نے چوری کی ہے۔
اس بدبخت نے چوری کیوں کی؟ اس لیے کہ وہ انسان ہے اور انسان
بھوک کا عذاب برداشت نہیں کر سکتا اس لیے کہ وہ شوہر ہے اور
شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے ایڑیاں رگڑتے مرتے دیکھ نہیں سکتا اس لیے
کہ وہ باپ ہے اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے ان
آنسوؤں کا نظارہ کر سکے جو بھوک کی اذیت سے ان کے معصوم
چہروں پر بہہ رہے ہیں پھر اگر بد قسمت انسان قید خانہ اور تازیانہ کی
سزائیں جھیل کر بھی اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے تو
مقدس انصاف اصلاح اور انسانیت کا آخری علاج یہ ہے
انسان کی شہری اور متمدن زندگی کا اخلاق وہ خود ہی انسان کو برائی
پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے یہ ظلم بے رحمی کے اس
تسلسل کو انصاف کے نام سے تعبیر ہے اس انصاف کے نام سے
جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے (

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی
تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا

---

اس لیے ضروری تھا کہ انسانی آبادی اور تمدن کے بہت ہم

دوسری طرف نیکی رخصت ہو جاتی ہے محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا اور امن و مصالحت کی جگہ انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہو جاتا ہے وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی اور محبت کی دنیا اور راحت کی برکت کی بہشت تھی اب افلاس و مصیبت کا مستقل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہے وہی انسان جو جھونپڑیوں کے اندر محبت و فیاضی کا بے بہا گوہر ہوتا ہے شہر کے سر بفلک محلوں کے اندر بے مہری و خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں بخشش و نعمت کے دستر خوان پر بیٹھتا ہے تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑک پر بھوک سے ایڑیاں رگڑتے ہیں وہ عیش و راحت کے ایوانوں میں حسن و جمال کی محفلیں آراستہ کرتا ہے تو اس کے ہمسایہ یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہے زندگی کی قدرتی یکسانی کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی نگر بے رسم شقاوتیں ہر گوشہ میں نمایاں ہو جاتی ہیں، پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج برآمد ہونے لگتے ہیں کمزوری اور بے نوائی سے مجبور ہو کر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اچانک دنیا کی زبانوں کا سب سے زیادہ بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہے یہ قانون اور انصاف ہے اب بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں اور ان کے دروازے پر لکھا جاتا ہے۔

انصاف کے اس مقدس گھر میں کیا ہوتا ہے یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان

جب وہ پہلی مرتبہ سوق التجار میں چوری کرتا ہوا پایا گیا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی معلوم ہوا کہ وہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ طوس سے ایک قافلہ کے ساتھ آرہے تھے راہ میں بیمار پڑے اور مرگئے قافلے والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیا۔ اب سے دو برس پہلے کی بات ہے یہ دو برس اس نے کہاں اور کیونکر بسر کیے۔ اس کا حال کچھ نہ معلوم ہو سکا گرفتاری کے وقت اس کی عمر پندرہ برس کی تھی جبکہ کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر اس کو تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اس کی طبیعت پر کچھ اس بری طرح اثر ڈالا وہ اب تک ایک ڈرا سہما کم سن لڑکا تھا۔ اب اچانک ایک دلیر اور بے باک مجرم کی روح اس کے اندر پیدا ہو گئی گویا اس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لیے تازیانے کی ضرب کی منتظر تھیں مجرمانہ اعمال کے تمام ہتھیار اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اس کے وہم و گمان میں نہیں گزرے تھے اب اس طرح اس پر کھل گئے گویا کہ ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ اس کے سر میں اتار دیا گیا۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیار اور ایک چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا۔

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا پہلی مرتبہ جب اس نے چوری کی تھی تو وہ دن کی بھوک سے نان بائی کی دکان پر سے کیک نفی

لازمی نتائج موجود ہوتے گندگی میں مکھیاں اور دلدل میں مچھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے جس قدر تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوتے تھے پھر بھی اس کی آبادیوں میں مجرموں کی کوئی کمی نہ تھی

---

بغداد میں آج کل جس طرح حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی بزرگی و درویشی کی شہرت ہے اسی طرح ابن ساباط کی چوری اور عیاری بھی مشہور ہے۔

پہلی شہرت نیکی کی ہے دوسری بدی کی دنیا میں بدی نیکی کی ہر چیز کی طرح اس کی شہرت کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ کر نہیں سکتی۔ دس برس سے ابن ساباط مدائن کے حبس میں قید ہے۔ اس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں۔ تاہم اس کی عیاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں وہ جب کبھی کسی دلیرانہ چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں۔ یہ دوسرا ابن ساباط ہے۔ دس برس کے اندر کتنے ہی ..... ابن ساباط پیدا ہو گئے مگر پرانے ابن ساباط کی شہرت کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا بغداد والوں کی بول چال میں وہ جرائم کا شیطان اور رہزنوں کا عفریت تھا۔

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہے۔

اپنے سینکڑوں ہاتھ اس کے حوالے کر دیئے اب اس نے عراق کے تمام
چور اور عیار جمع کر کے اپنا اچھا خاصا جتھا بنالیا اور فوجی ساز و سامان کے
ساتھ لوٹ مار شروع کر دی تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے دلیرانہ حملوں
نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا۔

وہ قافلوں پر حملہ کرتا۔ دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا محل سراؤں میں
نقب لگاتا سرکاری خزانہ لوٹتا اور جب یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور
فرزانگی سے کرتا کہ اس پر یا اس کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی ہر موقعہ
پر صاف بچکر نکل جاتا۔ لوگ جب اس کے جرم کے کارنامے سنتے تو دہشت
و حیرت سے مبہوت رہ جاتے یہ ڈاکو نہیں ہے جرم کی ایک روح ہے وہ
انسان کو لوٹ لیتی ہے مگر انسان اسے چھو نہیں سکتا! یہ بغداد والوں کا متفقہ
فیصلہ تھا۔

---

مگر ظاہر ہے یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی آخر وہ وقت آ گیا کہ
کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہو جائے ایک موقع پر
جب اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود نکل
جانے کی تیاری کر رہا تھا حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کر لیا۔

اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت میں گرفتار ہوا تھا۔ اس
کی سزا قتل تھی ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی
ہے تو اسی کے مجرمانہ خصائل نے اچانک ایک دوسرا رنگ اختیار

لیکن اب وہ بھوک سے بے بس ہو کر نہیں بلکہ اپنی جرائم پسندی سے عادی ہو کر چوری کرتا تھا اس لیے اس کی نگاہیں نان بائیوں کی روٹیوں نہیں صرافوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیرے پر پڑتی تھیں۔

دن ہو یا رات بازار کی منڈیوں میں یا امیر کا دیوان خانہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی کارستانیاں جاری رہتیں۔ اس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا سپہ سالار کا سا عزم تھا سپاہی کی مردانگی تھی مدبر کی سی دانشمندی تھی لیکن دنیا نے اس کے لیے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور رہے اس کے لیے اس کی فطرت کے تمام جوہر نمایاں ہونے لگے۔ افسوس فطرت نے کس فیاضی سے بخشی ہے مگر انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے۔

---

کچھ دنوں کے بعد ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کی خصوصیت سے توجہ ہوئی۔ آخر ایک دن گرفتار کر لیا گیا اب یہ ایک کمسن لڑکا نہ تھا شہر کا سب سے بڑا چور تھا عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ فوراً تعمیل ہوئی اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پہنچا الگ کر دیا۔

ابن ساباط کے ہاتھ کا کٹنا نہ تھا بلکہ سینکڑوں نئے ہاتھوں کو اس کے شانوں سے جوڑ دینا تھا۔ معلوم ہوتا ہے دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار ہی میں تھے جوں ہی اس کا ہاتھ اُنھوں نے

انسان کی بے مہریوں کی طرح اس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہے۔ وہ عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آسکا ہے اگر چور دلیری کے ساتھ چوری کرتا ہے تو انسان کے لیئے بڑی دلچسپی کا واقعہ ہے وہ اس کی صورت دیکھنے کے لیئے بے قرار ہو جاتا ہے گھنٹوں اس پر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جس میں اس کی تصویر چھپی ہو یا اس کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس واقعہ میں چور کے لیئے کیسی شقاوت ہے اور جس مسکین کا مال چوری گیا ہے اس کے لیئے کیسی مصیبت ہے اس کے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ اگر مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لیئے یہ بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے سارا شہر اُمنڈ آتا ہے جس کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے لوگ اس نظارے کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک بھول جاتے ہیں۔ اگر چند انسانوں کے جھلسے

آگ کے اندر بعض شعلوں میں نمودار ہو جائیں اور ان کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کی کانوں تک پہنچ سکیں تو پھر اس نظارے کی دلچسپی کے اس جہنمی منظر میں اس مکان اور اس کے مکینوں کے لیئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے اور جان و مال کی کیسی المناک بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی وجود میں آسکی ہے؟ اس بات کے سوچنے کی نہ تو لوگوں کو فرصت ملتی ہے نہ وہ سوچنا

کرایا وہ تیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی جانیں قربان کر دے۔ اس نے عدالت سے کہا کہ اگر اسے قتل کی سزا نہ دی جائے تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرا دے گا عدالت نے منظور کر لیا اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اس کے سو اسو سے زیادہ ساتھی اس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے ان سو سے چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط کے نام پر لعنت نہ بھیجی ہو بدعہدی اور بے وفائی، برائی کا ایک درجہ ہے۔

---

بہر حال ابن ساباط مدائن کے قید خانے میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے اس کی آخری گرفتاری پر دس برس گذر چکے ہیں۔ دس برس کا زمانہ اس کے لئے کچھ مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیاہ کاریاں بُھلا دی جائیں۔ دس برس گذرنے پر بھی اس کے دلیرانہ جرائم کا ذکر بچے بچے کی زبان پر ہے لوگوں کو یہ بات تو کبھی بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں کیونکہ معلوم کرنے کی انھیں ضرورت بھی نہیں ہے البتہ وہ اسی کے دلیرانہ کارنامے معلوم کر کے بھولنا نہیں چاہتے اس تذکرہ میں ان کے لئے دلچسپی ہے انھیں ابن ساباط کی نہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے

---

پہنچا اور ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا اب اس نے سانس
لی گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے آپ آزادی سے ابھرنے کی مہلت
ملی ہے پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی یقیناً تین پہر رات گذر چکی ہے۔
اب وہ اپنے دل میں کہنے لگا مگر کیا بدنصیبی ہے کہ جس طرف رخ کیا
ناکامی ہوئی کیا پوری رات اسی طرح ختم ہو جائے گی یہ آواز خوفناک جن
سناٹے کی ہے جو دس برس کی طویل زندگی قید خانے میں بسر کرکے اب
کسی طرح نکل بھاگا ہے اور نکلنے کی پہلی رات ہے اس لیے وقت کے
بے نتیجہ ضائع جانے پر اس کا بے صبری سے تاب کھا رہا ہے۔ اس نے
ہر طرف آہستگی زمین سے کان لگا کر دور دور کی صداؤں کا جائزہ
لیا اور مطمئن ہو کر آگے بڑھا کچھ دور آگے چل کر اس نے دیکھا ایک
کی دیواریں دور تک چلی گئی ہے اور وسط میں بڑا پھاٹک ہے کہ جس کے آس
علاقہ میں زیادہ تر امرا کے باغ تھے یا سوداگروں کا گودام وہ پھاٹک
کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا اندر کیونکر جائے؟ اس نے
آہستگی سے دروازے پر ہاتھ رکھا لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ دروازہ
اندر سے بند نہیں تھا صرف بھیڑا ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ کے اندر اس کا
قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے اس نے پھر سے آگے قدم بڑھایا تو
ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے
حجرے بنے تھے اور وسط میں ایک بہت بڑی عمارت تھی۔ یہ دریافت
کرنا کہ اس طرف بڑھنا عجیب بات ہے کہ اس کے مختلف گوشوں

چاہتے ہیں اگر انسان کے ابنائے جنس میں سے ایک بدبخت مخلوق کو سولی کے تختے پر لٹکا دیا جائے تو یہ ان تمام نظاروں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہو سکتا ہے سب سے زیادہ دل کش نظارہ ہوتا ہے اتنا دل کش نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے وہ کر لٹکتی ہوئی لاش دیکھتا رہتا ہے مگر اس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ اپنے ایک ہم جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق جھولتے دیکھ لینے کی لذت حاصل کریں لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے زیادہ دلکش تماشا وجود میں آیا خود اس پر کیا گذری اور وہ کیوں اس منحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا؟ سینکڑوں ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دل چسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا۔

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گذر چکی ہے مہینہ کی آخری راتیں ہیں بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس آراستہ ہے مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے دجلہ کے پار کرنے کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور روشنی کی تاریکی میں گم ہے اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی سیاہ لبادے میں ایک لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جا رہا ہے وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی میں

ایک مفلس کا افلاس خود اس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا جس قدر اس چور کے لیے جرات کے پچھلے پہر بال و دولت تلاش کرتا ہوا پہنچا ہے اس میں شک نہیں کہ پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر اپنی قیمت رکھتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن سا باط تنہا تھا اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا وہ ہزار ہمت کرتا مگر اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہیں سکتا تھا وہ تھانوں کی موجودگی پر معترض نہ تھا ان کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا۔

اتنی وزنی چیز چرا کر لے جانا آسان نہ تھا۔

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اس کے باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا نہیں معلوم کون احمق ہے جس نے یہ ملعون تھان جمع کر رکھے تھے۔ غالباً کوئی تاجر ہے لیکن عجیب طرح کا تاجر ہے جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کر دیا ہے اس نے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جا سکتا ہے ایک تھان کے اٹھانے کے لئے کون کر وس گدھے سا تھ لانے چاہئیں لیکن بہر حال کچھ کرنا ضروری تھا۔

رات جا رہی تھی اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تاک کی جاتی اس نے جلدی سے ایک تھان کھولا اسے فرش پر بچھا دیا پھر کوشش کی کہ زیادہ

میں چھوٹے چھوٹے حجرے بنے تھے اور وسط میں کہ اس کا دروازہ
بھی اندر سے بند نہیں تھا، چھوتے ہی کھل گیا گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر
تھا۔ یہ ایک ایسی بے باکی کے ساتھ جو صرف مشاق مجرموں کے ہی قدم لے
میں ہو سکتی ہے اندر چلا گیا اندر جا کر دیکھا تو ایک وسیع ایوان تھا
لیکن سامان راحت و زینت میں سے کوئی چیز نہ تھی قیمتی اشیاء کا
نام و نشان نہ تھا صرف ایک کھجور کے پتوں کی چٹائی بچھی تھی اور ایک
طرف چمڑے کا تکیہ پڑا ہوا تھا البتہ ایک گوشے میں پشمینہ کے موٹے کپڑے
کے بہت سے تھان اس طرح سے بے ترتیب پڑے تھے گویا جلدی
میں کسی نے پھینک دیئے ہیں اور ان کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی
چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں۔ اس نے مکان کی موجودات کا پورا جائزہ
کچھ تو اپنی اندھیرے میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا اور
کچھ اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر لیکن اس کا ہاتھ ایک ہی تھا یہ بغداد والے
کی لال چال میں ایک ہاتھ کا شیطان تھا جو اب قید و بند کی زنجیروں
کو توڑ کر آزاد ہو گیا تھا دس برس کی قید کے بعد آج ابن ساباط کو
پہلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے پسند کے کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے
جب اس نے دیکھا کہ اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے اور
یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہو گا تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت
مشتعل ہو گئے وہ دل ہی دل میں اس مکان کے رہنے والوں کو گالیاں
دینے لگا جو اپنے مکان میں رکھنے کے لیے قیمتی اشیاء فراہم نہ کر سکے۔

ہوئی خوف اور دہشت سے اس کا خوف منجمد ہو گیا جہاں کھڑا تھا وہیں قدم گڑ گئے نظر اٹھا کر دیکھا تو سامنے ایک شخص کھڑا ہے اس کے ہاتھ میں شمع دان ہے اور اسے اس طرح اونچا کر رکھا ہے کہ کمرے کے تمام حصے روشن ہو گئے اس شخص کی وضع قطع سے اس کی شخصیت کا اندازہ کرنا مشکل تھا میلگجے رنگ کی ایک لمبی عبا اس کے جسم پر تھی جسے کمر کے پاس ایک موٹی رسی سے لپیٹ کر جسم پر چسپت کر لیا تھا سر پر سیاہ اونچی دیوار کی ٹوپی تھی اور اس قدر کشادہ تھی کہ اس کے کنارے ابروؤں کے قریب تک پہنچ گئے تھے جسم نہایت نحیف تھا اتنا نحیف کہ صوف کی موٹی بھانجے پر بھی اندر رکھے ابھری ہوئی ہڈیاں صاف دکھائی دے رہی تھیں اور قد کی درازی سے جسم میں کمر کے پاس خفیف سی خمیدگی پیدا ہو گئی تھی لیکن یہ عجیب بات تھی کہ جس کی اس غیر معمولی طاقت کا کوئی اثر اس کے چہرے پر نظر نہیں آتا تھا اتنا کمزور جسم رکھنے پر بھی اس کا چہرہ کچھ عجیب طرح کی تاثیر دکھائی رکھتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہڈیوں کا ڈھانچہ پر ایک شاندار دل آویز چہرہ جوڑ دیا گیا ہے رنگت زرد تھی رخسار بے گوشت تھے جلد کی تنومندی کا نام و نشان نہ تھا لیکن پھر بھی جبری کی مجموعی ہیئت میں کوئی ایسی چیز تھی کہ دیکھنے والا محسوس کرتا تھا کہ ایک نہایت طاقتور چہرہ اس کے سامنے ہے خصوصاً اس کی نگاہیں روشن ایسی ساکن تھیں کہ معلوم ہوتا تھا دنیا کی ساری راحت اور سکون ان ہی دو حلقوں کے اندر سما گئی ہے چند لمحوں تک یہ شخص اونچی شمع لئے ہوئے ابن ساباط کو دیکھتا رہا پھر اس

سے زیادہ نقصان جو اٹھائے جا سکتے ہیں اٹھائے مشکل یہ تھی کہ ان کی قیمت زیادہ وہ بہت زیادہ وزنی تھا۔
کم لیتا تھا تو بیکار تھا زیادہ لیتا ہے تو لے جا نہیں سکتا عجیب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ طے ہوا لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی۔ صوف کا کپڑا بے حد موٹا تھا اسے مروڑ دے کر گرہ لگانا آسان نہ تھا دونوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائے کہ ایک ہاتھ سے، بلا شبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا دو تھے لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھڑی باندھنے کے لئے سود مند نہ تھے اس نے بہت سی تجویزیں سوچیں طرح طرح کے تجربے کئے دانتوں سے کام لیا کٹی ہوئی کہنی سے سہارا دیا لیکن کسی طرح بھی گٹھڑی میں گرہ نہ لگ سکی۔ وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کر دیا تھا اندرونی جذبات کے ہیجان اور بیرونی فعل کی بیہودہ محنت نے ابن ساباط کو بہت تھکا دیا وقت کی کسی عمل کا قدرتی خوف ان کی گرانی محنت کی شدت اور فائدہ کی قلت اس کے دماغ کے لئے تمام مخالف تاثرات جمع ہو گئے تھے اچانک وہ چونک اٹھا اس کی تیز قوت سماعت نے کسی کے قدموں کی نرم آہٹ محسوس کی ایک لمحہ تک خاموشی رہی پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی آدمی دروازے کے پاس کھڑا ہے ابن ساباط گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا مگر قبل اس کے کہ وہ کوئی حرکت کر سکے دروازہ کھلا اور روشنی نمایاں

جب وہ پسینہ پونچھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں باپ کی سی شفقت اور ہاتھوں میں بھائی کی سی محبت کام کر رہی تھی۔

صورت حال کے یہ تمام تغیرات اس تیزی سے ظہور میں آئے کہ ابن سابا ط کا دماغ معطل ہو کر رہ گیا اور وہ کچھ سمجھ نہ سکا کہ کیا معاملہ ہے ایک مدہوش اور بے ارادہ آدمی کی طرح اس نے اجنبی کے اشارے کی تعمیل کی اور چٹائی پر بیٹھ گیا اب اس نے دیکھا کہ واقعی اجنبی نے کام شروع کر دیا۔ اس نے پہلے وہ گٹھڑی کھولی جو ابن سابا ط نے باندھنی چاہی تھی مگر بندھ نہیں سکی تھی پھر دونوں تھان کھول کر بچھا دیئے اور جس قدر بھی تھان موجود تھے ان سب کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ایک حصے میں زیادہ تھے اور ایک حصے میں کم پھر دونوں کی الگ الگ دو گھٹڑیاں باندھ لیں۔ یہ تمام کام اس نے ایسے اطمینان اور سکون کے ساتھ کیا گویا اس کے لئے کوئی انوکھی بات نہ تھی، پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا اس نے اپنی عبا اُتار ڈالی اور اسے بھی گٹھڑی کے اندر رکھ دیا اب وہ اُٹھا اور ابن سابا ط کے قریب گیا۔

میرے دوست تمہارے چہرے کی پژمردگی سے معلوم ہوتا ہے کہ تم صرف تھکے ہوئے نہیں ہو بلکہ بھوکے بھی ضرور ہوگے۔ چلنے سے پہلے دودھ کا ایک پیالہ پی لو اگر تم چند لمحے انتظار کر سکو تو میں دودھ لے آؤں اس نے کہا اس کے چہرے پر بدستور مسکراہٹ کی دل آویزی موجود تھی ممکن نہ تھا کہ اس مسکراہٹ سے انسانی قلب کے تمام اضطراب

طرح آگے بڑھا گویا اسے جو کچھ سمجھنا تھا سمجھ چکا ہے اس کے چہرے پر
ہلکا سا زیرلب تبسم تھا۔ اب دل آویز اور شیریں تبسم جس کی موجودگی انسانی
روح کے سارے اضطراب اور خوف دور کر دے سکتی ہے اس نے شمع دان
ایک طرف رکھ دیا اور ایک ایسی آواز میں جو شفقت و ہمدردی میں ڈوبی
ہوئی تھی ابن سایاط سے کہا "میرے دوست؟ تم پر خدا کی سلامتی ہو جو کام
تم کرنا چاہتے ہو وہ بغیر روشنی اور ایک رفیق کے انجام نہیں پا سکتا دیکھو
یہ شمع دان روشن ہے اور میں تمہاری رفاقت کے لئے موجود ہوں روشنی
میں ہم دونوں اطمینان اور سہولت کے ساتھ یہ کام انجام دے لیں گے"
وہ ایک لمحہ کے لیے رکا جیسے کچھ سوچنے لگا ہو پھر اس نے کہا مگر میں دیکھتا
ہوں تم بہت تھک گئے ہو تمہاری پیشانی پسینہ سے تر ہو رہی ہے یہ گرم
موسم یہ بند کمرہ میں تاریکی ہی تاریکی اور تاریکی میں ایسی سخت محنت افسوس
انسان کو اپنے رزق کے لیے کیسی کیسی زحمتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں دیکھو
یہ چٹائی بچھی ہے یہ چمڑے کا تکیہ ہے میں اسے دیوار کے ساتھ لگا دیتا
ہوں اس نے تکیہ دیوار کے ساتھ لگا کر رکھ دیا اور کہا بس ٹھیک ہے،
اب تم اطمینان کے ساتھ ٹیک لگا کر یہاں بیٹھ جاؤ اور اچھی طرح سستا لو
اتنی دیر میں تمہارا ادھورا کام پورا کیے دیتا ہوں" اس نے یہ کہا اور
ابن سایاط کے کاندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ
کیا پھر جب اس کی نظر دوبارہ اس کی عرق آلود پیشانی پر پڑی تو
اس نے کمر سے رومال کھولا اور اس کی پیشانی کا پسینہ پونچھ ڈالا۔

یقیناً یہ بھی کوئی میرا ہم پیشہ ہی ہے اور اسی نواح میں رہتا ہے اتفاقات نے آج ہم دونوں چوروں کو ایک ہی مکان میں جمع کر دیا چونکہ یہ اسی نواح کا آدمی ہے اسی لئے اس مکان کے تمام حالات سے واقف ہوگا کہ مکان آج رہنے والوں سے خالی ہے اور با اطمینان کام کرنے کا موقع ہے اس لئے وہ روشنی کا سامان ساتھ لیکر آیا ہے لیکن جب دیکھا کہ میں پہلے سے پہنچا ہوا ہوں تو آمادہ ہو گیا کہ میرا ساتھ دے کر ایک حصہ کا حق دار بن جائے . . . . .

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ دروازہ کھلا اور اجنبی لکڑی کا ایک بڑا پیالہ لے کر نمودار ہو گیا یہ لو تمہارے لیئے دودھ لے آیا ہوں اسے پی لو یہ بھوک اور پیاس دونوں کے لیئے مفید ہوگا یہ کہہ کر اس نے پیالہ ابن ساباط کو پکڑا دیا ابن ساباط واقعی بھوکا پیاسا تھا بلا تامل منہ کو لگایا اور ایک ہی سانس میں پی گیا اب اس معاملہ کی فکر ہوئی اتنی دیر میں دودھ نے اس کی طبیعت بحال کر دی تھی۔

دیکھو اگرچہ میں تم سے پہلے یہاں پہنچ چکا تھا اور ہاتھ لگا چکا تھا اور اس لیئے ہم لوگوں کے قاعدے کے بموجب تمہارا کوئی حق نہیں لیکن تمہاری ہشیاری و مستعدی دیکھنے کے بعد مجھے کوئی تامل نہیں کہ تمہیں اس مال میں شریک کر لوں اگر تم پسند کرو گے تو میں ہمیشہ کے لیئے تم سے معاملہ کر لوں گا لیکن دیکھو میں کہے دیتا ہوں کہ آج کا کام در اصل میرا ہی کام تھا اس نے صاف آواز میں کہا اس کی آواز میں اب تاثر نہیں حکم تھا اجنبی لی نہ تھا لیکن اس کے

نہ ہو جائیں قبل اس کے کہ ابن ساباط جواب دے وہ تیزی کے ساتھ لوٹا اور باہر نکل گیا۔

اب ابن ساباط تنہا تھا لیکن تنہا ہونے پر بھی اس کے قدموں میں حرکت نہ ہوئی اجنبی کے طرز عمل میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے اس کے اندر خوف پیدا ہوتا تو صرف متحیر اور مبہوت تھا۔

اجنبی کی ہستی اور اس کا طور طریقہ ایسا عجیب و غریب تھا کہ جب تک وہ موجود رہا ابن ساباط کو تحیر و تاثر نے سوچنے سمجھنے کی مہلت نہ دی اجنبی کی شخصیت کی تاثیر سے اس کا دماغ اصلی حالت پر واپس آنے لگا یہاں تک کہ دماغ کے خصائل پوری طرح ابھر آئے اور وہ اسی روشنی میں معاملات کو دیکھنے لگا جس روشنی میں دیکھنے کا ہمیشہ سے عادی تھا وہ جب اجنبی کا تبسم چہرہ اور دلنواز باتیں یاد کرتا تو شک اور خوف کی جگہ اس کے اندر ایک ناقابل فہم جذبہ پیدا ہو جاتا۔ جو آج تک اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا لیکن پھر جب وہ سوچتا کہ اس معاملہ کا مطلب کیا ہے اور یہ شخص کون ہے تو اس کی عقل حیران رہ جاتی اور کوئی بات سمجھ میں نہ آتی اس نے اپنے دل میں کہا یہ تو قطعی ہے کہ چور دل کا اس طرح استقبال نہیں کرتے۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

مگر پھر یہ شخص کون تھا۔

اچانک ایک نیا خیال اس کے اندر پیدا ہوا وہ ہنسا استغفراللہ میں بھی کیا احمق ہوں یہ بھی کوئی سوچنے اور حیران ہونے کی بات تھی؟

نہیں میں دنیا میں ہوں پورے ملک میں ، ہم نہیں مجھ سے بہتر کوئی مزدور نہیں مل سکتا اس نے گٹھڑی کے اٹھانے میں اجنبی کو مدد دیتے ہوئے کہا یہ گٹھڑی اس قدر بھاری تھی کہ ابن ساباط اپنی حیرانی نہ چھپا سکا وہ اگرچہ اپنے رفیق کی زیادہ جرأت افزائی کرنا پسند نہیں کرتا تھا پھر بھی اس کی زبان سے بے اختیار نکل گیا۔

دوست! تم دیکھنے میں تو بڑے دبلے پتلے ہو لیکن بوجھ اٹھانے میں بڑے مضبوط نکلے، ساتھ ہی اس نے اپنے دل میں یہ کہا یہ جتنا مضبوط ہے اتنا ہی عقلمند نہیں ہے ورنہ اپنے حصہ سے دست بردار نہ ہو جاتا اگر آج یہ احمق نہ مل جاتا تو مجھے سارا مال چھوڑ کر صرف ایک دو تھان پر ہی قناعت کر لینی پڑتی۔

اب ابن ساباط نے اپنی گٹھڑی اٹھائی جو بہت ہلکی تھی، اور دونوں باہر نکلے اجنبی کی پیٹھ جس میں پہلے سے زخم موجود تھے اب گٹھڑی کے ایک دو تھان کے وزن سے بالکل جھک گئی تھی رات کی تاریکی میں اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر چلنا نہایت دشوار تھا لیکن ابن ساباط کو فطرتی طور پر جلدی تھی وہ بار بار حاکمانہ انداز سے اصرار کرتا کہ تیز چلو اور چونکہ خود اس کا بوجھ بہت ہلکا تھا اس لیے خود تیز چلنے میں کسی طرح کی دشواری محسوس نہیں کرتا تھا اجنبی تعمیل حکم کی پوری کوشش کرتا لیکن اتنا بھاری بوجھ اٹھا کر دوڑنا انسانی طاقت سے باہر تھا اس لیے پوری طاقت صرف کرنے پر بھی زیادہ تیز نہیں چل سکتا تھا کئی مرتبہ

علاوہ بھی اس میں کوئی چیز تھی لیکن ابن سا باط سمجھ نہ سکا اس نے خیال
کیا شاید یہ شخص اس طریق تقسیم پر نافع نہیں اچانک اس کی آنکھیں اس کی
خوفناک مجرمانہ زندگی سے چمک اٹھیں وہ غصہ سے مضطرب ہو کر کھڑا ہو گیا۔
"بے وقوف" چپ کیوں ہے؟ یہ نہ سمجھنا کہ دودھ کا ایک پیالہ پلا کر
اور چکنی چپڑی باتیں کر کے تم مجھے احمق بنا لوگے۔ تم نہیں جانتے میں کون
ہوں مجھے کوئی احمق نہیں بنا سکتا میں ساری دنیا کو احمق بنا چکا ہوں
بولو اس پر راضی ہو یا نہیں اگر نہیں ہو تو لیکن ابھی اس کی بات پوری
نہیں ہوئی تھی کہ اجنبی کے لب متحرک ہوئے اب بھی اس کے
لبوں سے اس کی مسکراہٹ نہیں ہٹی تھی۔

میرے عزیز دوست کیوں بلا وجہ اپنی طبیعت آزردہ کرتے ہو؟
آؤ یہ کام جلد نپٹا لیں جو ہمارے سامنے ہے دیکھو میں نے دو گٹھڑیاں
باندھ لی ہیں ایک چھوٹی ہے ایک بڑی ہے تمہارا ایک ہی ہاتھ ہے
اس لئے تم زیادہ بوجھ نہیں سنبھال سکتے لیکن میں دونوں ہاتھوں سے
سنبھال لوں گا چھوٹی گٹھڑی تم اٹھا لو میں بڑی اٹھا لیتا ہوں باقی رہا
میرا حصہ جس کے خیال سے تمہیں اتنی آزردگی ہوئی تو میں بھی نہیں
چاہتا اسی وقت اس کا فیصلہ کر آؤں تم نے کہا ہے کہ تم ہمیشہ کے لئے
مجھ سے معاملہ کر سکتے ہو مجھے بھی ایسا ہی معاملہ پسند ہے میں چاہتا ہوں
تم ہمیشہ کے لئے مجھ سے معاملہ کر لو۔

ہاں اگر یہ بات ہے تو پھر سب کچھ ٹھیک ہے تمہیں بھی معلوم

کھڑے تھے دراصل ایک ناتمام ایوان تھا یا تو اس پر پوری چھت ہی نہ تھی
یا پڑی تھی تو امتداد وقت سے شکستہ ہو کر گر پڑی تھی ایک طرف بہت سے
پتھروں کا ڈھیر تھا۔ ابن ساباط انھیں پتھروں میں سے ایک پر بیٹھ گیا دونوں
گٹھڑیاں سامنے دھری تھیں ایک گوشہ میں اجنبی کھڑا کانپ رہا تھا۔ کچھ دیر
تک خاموشی رہی یکایک اجنبی بڑھا اور ابن ساباط کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔
اب رات ختم ہونے پر تھی پچھلی پہر کا چاند درخشندہ تھا کھلی چھت سے
اس کی ظلمت آلود شعاعیں ایوان کے اندر پہنچ رہی تھیں ابن ساباط
دیوار کے سائے میں تھا لیکن اجنبی جو اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا تھا
ٹھیک چاند کے مقابل تھا اس لیے اس کا چہرہ صاف دکھائی دے رہا تھا
ابن ساباط دیوار کے سائے میں تھا لیکن اجنبی جو اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا
تھا ٹھیک چاند کے مقابل تھا اس لیے اس کا چہرہ صاف دکھائی دے
رہا تھا ابن ساباط نے دیکھا کہ تاریکی میں ایک درخشاں چہرہ ایک نورانی
تبسم ایک پر اسرار انداز نگاہ کی دل آویزی سامنے ہے۔

میرے عزیز دوست اور رفیق اجنبی نے اس دلنواز اور شیریں آواز
میں جو دو گھنٹہ پہلے ابن ساباط کو بے خود کر چکی تھی کہنا شروع کیا میں نے
اپنی خدمت پوری کر لی ہے اب میں رخصت ہوتا ہوں اس کام کے
کرنے میں مجھ سے کمزوری اور سستی ظاہر ہوئی اور اس کی وجہ سے بار بار
تمہیں پریشان خاطر ہونا پڑا اس کے لیے بہت شرمندہ ہوں اور تم سے
معافی چاہتا ہوں مجھے امید ہے تم معاف کر دو گے اس دنیا میں ہماری

کھڑی کر بیٹھیں بار بار بوجھ گرتے گرتے رہ گیا ایک مرتبہ اتنی سخت چوٹ کھائی قریب تھا کہ گر جائے پھر بھی اس نے رکنے یا سستانے کا نام نہیں لیا گرتا پڑتا اپنے ساتھی کے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

لیکن ابن سابا ط اس پر بھی خوش نہ تھا اس نے پہلے تو ایک دو مرتبہ چلنے کا حکم دیا پھر بے تامل گالیوں پر اتر آیا۔ ہر لمحہ کے بعد ایک سخت گالی دیتا اور کہتا تیز چلو راستے میں چل آیا یہاں چڑھائی تھی جسم کمزور اور تھکا ہوا بوجھ بے حد بھاری اجنبی سنبھل نہ سکا اور بے اختیار گر پڑا ابھی وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی رہا تھا کہ اوپر سے ایک سخت لات پڑی یہ ابن سابا ط کی لات تھی اس نے غضبناک ہو کر کہا کتے کے بچے اگر اتنا بوجھ سنبھال نہیں سکتا تو لاد کر کیوں لایا۔ اجنبی ہانپتا ہوا اٹھا اس کے چہرے پر درد و شکایت کی جگہ شرمندگی کے آثار پائے جاتے تھے اس نے فوراً گٹھری اٹھائی اور پیٹھ پر رکھی اور پھر روانہ ہو گیا اب یہ دونوں شہر کے کنارے ایک ایسے حصے میں پہنچ گئے جو بہت کم آباد تھا یہاں ایک نا تمام عمارت کا پرانا اور شکستہ احاطہ تھا ابن سابا ط اس احاطہ کے ایک جانب پہنچ کر رک گیا اور اجنبی سے کہا یہیں بوجھ اتار دو پھر کود کر اندر گیا اور اجنبی نے باہر سے دونوں گٹھریاں اندر پھینک دیں اس کے بعد اجنبی بھی کود کر اندر چلا گیا اور دونوں عمارت کے اندرونی حصے میں پہنچ گیا اس عمارت کے نیچے ایک پرانا تہ خانہ تھا وہ یہاں نہیں چاہتا تھا کہ اجنبی پر ابھی اس درجہ اعتماد کرے کہ اپنا اصلی محفوظ مقام دکھا دے جس جگہ یہ دونوں

سامنے ہی بٹھا دیا تھا اب دونوں نکل رہے ہیں ایک تفریح کے لئے دوسرا مزدوری کے لیے لیکن ابن ساباط اس وقت تک وہیں بیٹھا ہے جہاں صبح بیٹھا تھا مارات والی دونوں گھڑیاں سامنے پڑی ہیں اور اس کی نظریں اسی طرح گڑی ہوئی ہیں مثلاً ان کی شکنوں کے اندر اپنے رات والے رفیق کو ڈھونڈھ رہا ہے بارہ گھنٹے گذر ے لیکن جسم اور زندگی کی کوئی ضرورت بھی اسے محسوس نہیں ہوئی وہ بھوک جس کی خاطر اس نے اپنا ایک ہاتھ کٹوایا تھا اب اسے نہیں ستاتی وہ خوف جس کی وجہ سے سورج کی روشنی اس کے لئے دُنیا کی سب سے زیادہ نفرت انگیز چیز ہوگئی تھی اب اسے محسوس نہیں ہوتی اور وہ رات والے عجیب وغریب اجنبی کی صورت خود تو اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی مگر اسے ایک ایسے عالم کی جھلک دکھا گئی جو اب تک اس کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا اس کی ساری زندگی گناہ اور سیہ کاری میں بسر ہوئی تھی اس نے انسانوں کی نسبت جو کچھ دیکھا سُنا تھا وہ یہی تھا کہ خود غرضی کا پتلا اور نفس پرستی کی مخلوق ہے وہ نفرت سے منہ پھیر لیتا ہے بے رحمی سے ٹھکرا دیتا ہے سخت سے سخت سزائیں دیتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ محبت بھی کرتا ہے اور اس میں فیاضی اور بخشش قربانی کی روح ہو سکتی ہے بچپن میں اس نے بھی خدا کا نام سُنا تھا اور بزرگوں کو خدا پرستی کرتے دیکھا تھا لیکن جب زندگی کی کشاکش کا میدان سامنے کھلا تو اس کا عالم ہی دوسرا تھا نہ تو نہ دل سے کبھی مہلت ملی نہ

کوئی بات بھی خدا کے کاموں سے اس قدر ملتی جلتی نہیں جس قدر یہ بات
کہ ہم ایک دوسرے کو معاف کر دیں اور بخش دیں لیکن قبل اس کے کہ میں تم
سے الگ ہوں میں تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں میں وہ نہیں ہوں جو تم نے میرے
کمرے میں خیال کیا ہے میں اس مکان میں رہتا ہوں جہاں آج تم سے ملاقات
ہوئی اور تم نے میری رفاقت قبول کر لی تھی میری عادت ہے کہ رات کو
تھوڑی دیر کے لیے اس کمرے میں جایا کرتا ہوں جہاں تم بیٹھے تھے آج آیا
تو دیکھا تم اندھیرے میں بیٹھے ہو اور تکلیف اٹھا رہے ہو تم میرے گھر میں
عزیز مہمان تھے۔

افسوس ہے میں آج رات سے تمہاری تواضع اور خدمت نہ کر سکا تم نے
میرا مکان دیکھ لیا ہے آئندہ جب کبھی تمہیں ضرورت ہو تم بلا تکلف اپنے
رفیق کے پاس آ سکتے ہو خدا کی سلامتی اور برکت ہمیشہ تمہارے
ساتھ رہے یہ کہا اور آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مصافحہ
کیا اور تیزی کے ساتھ نکل کر روانہ ہو گیا۔

اجنبی خود تو روانہ ہو گیا لیکن ابن ساباط کو ایک دوسرے ہی عالم
میں پہنچا دیا اب وہ مبہوت اور مدہوش تھا اس کی آنکھیں کھلی تھیں وہ اسی
طرف تک رہا تھا جس طرف سے اجنبی روانہ ہوا تھا لیکن معلوم نہیں اسے کچھ
دکھائی بھی دیتا تھا یا نہیں۔

دوپہر ڈھل چکی تھی بغداد کی مسجدوں سے جوق در جوق نمازی نکل رہے
تھے دوپہر کی گرمی نے امیروں کو تہ خانوں میں اور غریبوں کو دیواروں کے

کا مال ومتاع غارت کرنے کے لئے وہ گیا تھا تو اسے محسوس ہوا جیسے یکایک بجلی آسمان سے گر پڑی۔

یہ چور نہیں ہے مکان کا مالک تھا۔ لیکن اس نے چور کو پکڑنے اور سزا دلانے کی جگہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ "اس" سلوک کا کیا جواب اس کی روح کے لئے ناسور اور اس کے دل کے لئے ایک دہکتا ہوا انگارہ تھا وہ جس قدر سوچتا روح کا زخم گہرا ہوتا تھا اور ہر بات کی یاد کے ساتھ ایک تازہ زخم کی چبھن محسوس کرتا جب ایک مرتبہ حافظہ میں یہ سرگزشت ختم ہو جاتی تو پھر نئے سرے سے یاد کرنا شروع کر دیتا اور آخر تک پہنچا کر ابتدا کی طرف لوٹتا میں اس کے یہاں چوری کرنے کے لئے گیا تھا اور آخر تک میں نے اسے بھی چور سمجھا اسے گالیاں دیں بے رحمی سے ٹھوکر لگائی مگر اس نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہر مرتبہ اس آخری سوال کا جواب سوچتا اور پھر یہی سوال دہرانے لگتا سورج ڈوب رہا ہے۔ بغداد کی مسجدوں کے میناروں پر مغرب کی اذان کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ابن ساباط بھی اپنے غیر آباد گوشے سے اٹھا چادر جسم پر ڈالی اور بغیر کسی جھجک کے باہر نکل گیا اب اس کے دل میں خوف نہیں تھا کیونکہ خوف کی جگہ ایک دوسرے ہی جذبے نے لی تھی۔

وہ کرخ کے اس حصہ میں پہنچا جہاں رات گیا تھا جہاں رات والے مکان کے پہچاننے میں اسے کوئی دقت پیش نہیں آئی مکان کے قریب

خدا پرستی کی طرف متوجہ ہوا اور نہ انسانوں نے کبھی اس کی ضرورت
محسوس کی اسے خدا آشنا کرنے میں جوں جوں اس کی شقاوت بڑھتی گئی
سوسائٹی اپنی سزا و عقوبت کی مقدار بڑھاتی گئی سوسائٹی کے پاس
اس کی شقاوت کے لیے بے رحمی تھی اس لیے یہ بھی دُنیا کی ساری
چیزوں میں سے صرف بے رحمی ہی کو جانتا تھا لیکن اب اچانک اس کے سامنے
سے پردہ ہٹ گیا آسمان کے سورج کی طرح محبت کا بھی ایک سورج ہے
یہ جب چمکتا ہے تو روح اور دل کی ساری تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں اب
یکایک اس سورج کی پہلی کرن اپنی ... کے دل کے تاریک گوشوں پر
پڑی اور یکایک وقت و قصہ ماری سے نکل کر اپنی سارا ... روشنی میں آگیا۔

اجنبی کی شخصیت اپنی پہلی نظر میں اس کے دل تک پہنچ چکی تھی لیکن
وہ جہالت میں گم رہی ہے اس کا مقابلہ کرتا رہا اور حقیقت کے فہم کے لیے تیار
نہیں ہوا لیکن جوں ہی اجنبی کے آخری الفاظ نے وہ پردہ ہٹا دیا جو اس نے
اپنی آنکھوں پر ڈال لیا تھا حقیقت اپنی پوری عاشقانہ تاثیر کے ساتھ
بے نقاب ہو گئی اور اب اس کی طاقت سے باہر تھا کہ اس تیر کے زخم سے
سینہ بچا لے جاتا۔ اس نے اپنی جہالت سے پہلے خیال کیا تھا اجنبی بھی
میری طرح ایک چور ہے وہ اپنا حصہ لینے کے لیے میری رفاقت و اعانت
کر رہا ہے اس کا ذہن یہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر غرض کے
ایک انسان دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے لیکن جب اجنبی نے
چلتے وقت بتایا کہ وہ چور نہیں بلکہ اسی مکان کا مالک ہے جس مکان کا مالک

جاتی ہے تو سنہ کی زبان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس واقعہ پر کچھ عرصہ گذر چکا ہے۔ شیخ احمد ابن ساباط کا شمار سید الطائفہ کے حلقۂ ارادت کے ان فقراء میں ہے جو سب میں پیش پیش ہیں شیخ کہا کرتے ہیں۔ ابن ساباط نے وہ راہ لمحوں میں طے کر لی جو دوسرے برسوں میں بھی طے نہیں کر سکتے۔

ابن ساباط کو ۴۰ برس تک دنیا کی دہشت انگیز سزائیں نہ بدل سکیں مگر جذبۂ ربانی کے ایک لمحے نے چور سے اہل اللہ بنا دیا۔

---

(الہلال ۱۹۲۷ء)

ایک لکڑ ہارے کا جھونپڑا تھا یہ اس کے پاس گیا اور پوچھا یہ جو سامنے بڑا سا احاطہ ہے اس میں کوئی تاجر رہتا ہے؟

تاجر! بوڑھے لکڑ ہارے نے تعجب کے ساتھ کہا معلوم ہوتا ہے تم یہاں کے رہنے والے نہیں ہو یہاں تاجر کہاں سے آیا؟ یہاں تو شیخ بغدادی رہتے ہیں۔"

ابن ساباط اس نام کی شہرت سے بے خبر نہ تھا لیکن صورت آشنا نہ تھا ابن ساباط مکان کی طرف چلا رات کی طرح اس وقت بھی دروازہ کھلا تھا یہ بے تامل اندر چلا گیا سامنے وہی رات والا ایوان تھا آہستہ آہستہ بڑھا اور دروازے کے اندر نگاہ ڈالی وہ رات والی چٹائی بھی تھی رات والا تکیہ ایک جانب دھرا تھا تکیہ سے سہارا لگائے عجیب اجنبی بیٹھا تھا تیں چالیس آدمی سامنے تھے واقعی تاجر نہیں تھا شیخ جنید بغدادی تھے اتنے میں عشاء کی اذان ہو گئی لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے جب سب لوگ جا چکے تو شیخ بھی اُٹھے جوں ہی انھوں نے دروازے کے باہر قدم رکھا ایک شخص بے تابانہ بڑھا اور قدموں پر گر گیا یہ ابن ساباط تھا۔ جلہ کی سوتیں بھر گئی تھیں دیر تک رُکی رہیں مگر اب نہیں رُک سکتی تھیں جب آنسوؤں کا سیلاب آجائے تو پھر دل کی کونسی کثافت ہے جو باقی رہ سکتی ہے شیخ نے شفقت سے اس کا سر اُٹھایا یہ کھڑا ہو گیا مگر زبان نہ کھل سکی اور اب اس کی ضرورت بھی کیا تھی جب نگاہوں کی زبان کھل

مجھ پر چھا جاتی تھی۔

میں بدحواس جلسہ گاہ سے بھاگا اور اپنے گھر کی راہ لی اوپر کی منزل پر پہنچ کر اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا اس وقت بھی میرا خوف سے بُرا حال تھا معلوم ہوتا تھا کہ میں ختم ہوا ہوں کمرہ تاریک تھا اس پر ہوا تیز چل رہی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں سے جھونکے ٹکرا رہے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عناصر بھی خوف و ذہنیت کی حالت میں مضطرب ہو رہے ہیں۔

"اگر امپتسوزا کی پیشین گوئی ٹھیک ہے میں نے لڑکھڑاتی آواز میں آہستہ سے کہا اگر اس سنگدل قبطی سوفٹ کی روح نے سچ کہا ہے تو بس آج کی رات میرا خاتمہ ہے یہ واویلا کرنے والی ہوائیں میرا نوحہ کریں گی یہ کالی بدلیاں ماتم کی صفیں بچھائیں۔ افسوس میری زندگی۔ ......

"میں نے دیا سلائی جلائی۔"

"ہیں" میں گلا پھاڑ کر بے خودی سے چلایا اور دروازہ کی طرف بھاگا سر سے پاؤں تک تمام بدن کانپ رہا تھا۔ شاید غلام گردش میں پہنچ کر میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ میں نے کمرے میں دیکھا اس وقت بھی میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں دل دھڑک رہا ہے۔ عین کمرے کے وسط میں مُردے کا تابوت رکھا تھا۔ اس پر ارغوانی غلاف چڑھا تھا۔ میری صلیب رکھی تھی میں نے صرف ایک ہی جھلک

# ہولناک رات

ایوان ٹرو ونچ نے اپنے دوستوں کو مضطرب آواز اور زرد چہرے کے ساتھ ذیل کا واقعہ سُنایا۔

۱۹۳۶ء کے کرسمس کی رات بہت ہی اندھیری تھی میں اپنے ایک دوست کے یہاں دیر تک روحانی جلسے میں بیٹھا رہا مجھے تاریکی میں اپنے گھر لوٹنا تھا۔

اُس زمانے میں ماسکو کی ایک ایسی گلی میں میرا قیام تھا جو شہر میں سب سے زیادہ وحشت ناک اور تاریک گلی تھی جب جب میں اس سے گزرتا ڈراونے خیالات میرا دماغ پریشان کر دیا کرتے تھے۔

روحانی جلسے میں آخری جملہ جو میں نے سُنا تھا وہ خاص میری ذات کے متعلق تھا مشہور فیلسوف پینسورا کی روح کی نسبت ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ جلسے میں شریک ہے اُس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

تیری موت قریب آ گئی ہے جلد خدا کے سامنے توبہ کر۔

میں ڈر گیا پھر سوال کیا مزید تشریح چاہی۔

تیری زندگی ختم ہو گئی آج ہی توبہ کر لے یہ میرے سوال کا جواب تھا میں ان میں علم الارواح کا قائل نہیں ہوں تاہم مدت کا خیال مجھے ہمیشہ خوف زدہ کر دیا کرتا تھا۔ ایک عجیب طرح کی اداسی

لاکھ لاکھ ۔ چاکری بات سمجھ میں نہ آئی دروازے پر قفل چڑھا تھا میں پھر سوچنے لگا کنجی ایسی مخفی جگہ رکھی تھی کہ میرے خاص دوستوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا ممکن ہے کہ کسی دوست نے یہ موت کا تحفہ میرے لیے مہیا کیا ہو شاید کوئی مزدور غلطی سے لے آیا لیکن مزدور مزدوری لیے بغیر کیسے چلا جاتا؟ اور میرے یہاں مزدور تابوت کیوں لایا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

پھر میرے پراگندہ دماغ میں ایک اور خیال آیا ہے ۔ ۔ ممکن ہے یہ کارروائی اسی روح کی ہو جس نے آج رات میری موت کی خبر دی شاید یہ تابوت میری لاش کے لیے لایا گیا ہے لیکن یہ ناممکن ہے یہ تابوت میرے قد سے چھوٹا ہے ۔

(۴)

اب پھر بارش شروع ہو گئی گویا میرے قتل کے لیے آسمان سے یورش ہو رہی ہے ہوا اتنی تیز تھی کہ میرا اوورکوٹ اڑا جا رہا تھا میں بھیگ کر شرابور ہو گیا ۔

"مجھے پناہ لینی چاہیئے" میں نے اپنے دل سے کہا "لیکن کہاں" کمرے میں جہاں تابوت رکھا ہے ناممکن اگر میں وہاں گیا تو یقیناً دیوانہ ہو جاؤں گا ۔

مگر اس پانی اور سردی میں سڑک پر کھڑا رہنا بھی مشکل تھا میں نے فوراً اپنے دوست روسٹیٹ نامی کے گھر کی راہ لی وہ بھی ایک تنگ و تاریک گلی میں ایک کمرے میں رہتا تھا ۔

دیکھی تھی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ مجھے اس کا ہر حصہ نظر آ گیا آج تک اس کا پورا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے۔

یہ ایک لڑکی کا تابوت تھا چونکہ بہت چھوٹا تھا اور رنگ و آرائش ویسی ہی تھی جیسی کہ لڑکیوں کے تابوتوں پر کی جاتی ہے۔ . . . . .

مَیں شیر کی طرح زینے پر پہنچا ا: رسیلاب کی تیزی سے اُترنے لگا بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ گرنے لگا ایک نہایت ہی خوفناک رعب اپنی پوری قوت سے مجھے دھکیل رہا تھا۔ سڑک پر مَیں نے جلدی سے ایک روشنی کا کھمبا دونوں ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا کھمبا مینہ سے بھیگا ہوا تھا برف کی طرح ٹھنڈا تھا جسم نے سردی محسوس کی تو میرے ہوش و حواس واپس آنے لگے۔

"اگر کمرے میں آگ لگی ہوئی" تو مَیں خیال کرنے لگا بلکہ اس میں چور کھڑا ہوتا شیر ٹہلتا ہوتا۔ دیوانہ کتا بیٹھا ہوتا اگر اس کی چھت بھی اچانک گر جاتی تو بھی مجھے تعجب نہ ہوتا میں اسے ایک معمولی بات سمجھتا مگر لاش ایک مکمل تابوت! اس کے کیا معنی ہو سکتے ہیں! کچھ سمجھ میں نہیں آتا میرے مکان میں تابوت کیونکر آیا کون لایا؟ ایک امیر لڑکی کا تابوت سونے چاندی کے کام سے آراستہ ایک معمولی نوکر کے حقیر کمرے میں اسے کون لایا؟ معلوم نہیں وہ خالی ہے۔ لاش رکھی ہے . . . . .؟

اچانک مجھے خیال آیا اگر یہ معجزا نہیں تو کوئی ہولناک جُرم ہے

میں تھک کر زمین پر بیٹھ گیا دونوں کنپٹیاں زور سے دبالیں۔
الٰہی! میں کیا کروں کہاں جاؤں؟ آہ میں پاگل ہو گیا۔ یہ کہتے ہوئے بے اختیار میرے آنسو نکل گئے۔

قریب تھا میرا سر پھٹ جائے میرے پیروں میں سکت باقی نہیں رہی تھی سینہ کا وہ زور تھا کہ خدا کی پناہ میرا تمام بدن سردی سے کانپنے لگا نہ سر پر ٹوپی تھی نہ جسم پر کوٹ میں انھیں پہنے کرے میں جا بھی نہیں سکتا کیوں کہ وہاں ...... وہ بہت ہی ہولناک منظر ناقابل برداشت ہولناک موجود تھا۔

میرے سر کے بال تیر کی طرح سیدھے کھڑے ہو گئے ٹھنڈا پسینہ پیشانی سے بہنے لگا حالانکہ اب مجھے کامل یقین ہو چکا تھا کہ جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا ہے وہ محض ایک طرح کے اعصابی مرض کا نتیجہ اور وہم خیال ہے حقیقت میں کچھ بھی نہیں۔

اب کیا کروں؟ کہاں جاؤں؟ بار بار یہی سوال دوہراتا تھا یکایک مجھے ایک دوسرا دوست گوڈسا روف یاد آ گیا اس نے حال ہی میں ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی اور میرے قریب رہتا تھا میرے ساتھ روحانی جلسے میں شریک تھا۔

میں بے تحاشا اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا اس کا کمرہ مکان کی سب سے اونچی منزل پر واقع تھا۔

لیکن میں ابھی زینے ہی پر تھا کہ اوپر سے خوفناک شور سنائی

دروازہ کھٹکھٹایا کوئی جواب نہ ملا میں نے ایک طاق میں ہاتھ مارا تو کنجی مل گئی قفل کھول کر اندر چلا گیا میرا کوٹ بھیگ گیا تھا میں نے اسے اُتار کر زمین پر ڈال دیا اندھیرے میں پاؤں نے ایک کُرسی سے ٹھوکر کھائی میں اسی کرسی پر بیٹھ گیا تاریکی سخت تھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا ہوا تیز تھی کھڑکیاں ہل رہی تھیں باہر کنیسوں کے گھنٹے کرسمس کی خوشی میں بج رہے تھے۔

میں نے جیب سے ڈبیا نکال کر دیا سلائی جلائی۔

اف یہاں بھی میرے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی میں دیوانہ وار بھاگ کر کمرے سے باہر گرا۔

یہاں بھی تابوت رکھا تھا لیکن میرے کمرے کے تابوت سے بڑا تھا اور سیاہ غلاف سے ڈھکا تھا سیاہ غلاف نے اسے اور بھی زیادہ ہیبت ناک بنا دیا تھا۔

یہاں بھی وہی تابوت تھا میں سوچنے لگا معلوم ہوتا ہے یہ میرا وہم و خیال ہے۔ میری نگاہ دھوکا کھا رہی ہے نا ممکن ہے کہ میں جہاں جاؤں میرے ...... لئے ایک خوفناک تابوت پہلے سے مہیا ہو جائے ضرور میرے اعصاب میں آج خلل آگیا ہے جہاں جاتا ہوں تابوت ہی نظر آتا ہے ...... میں ضرور پاگل ہو گیا ہوں جنوں کا سبب صاف ظاہر ہے اسی منحوس رزحانی چلے اور سپینوزا کی شیطانی روح نے میرا دماغ خراب کر ڈالا۔

کے جلسوں پر خدا کی لعنت! علم الارواح پر ہزار لعنتیں، اس جلسے نے نہیں معلوم میرے لیے کیسی کیسی ہولناک چیزیں پیدا کردی؟

کیا تم یقین کروگے کہ جوں ہی میں اپنے کمرے میں داخل ہوا ......

اُف کیسے کیسا ڈراؤنا منظر! میں نے دیکھا، کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا ہے! مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا یہ تو بعینہٖ خود میری سرگذشت تھی میں نے چیخ کر پوچھا۔

"تابوت کیا کہتے ہو لایت"!

اس نے صاف لفظوں میں کہا "تابوت: ایک حقیقی تابوت! میں بزدل نہیں ہوں لیکن اس منظر سے تو شیطان بھی بے ہوش ہو جائے گا"

میں پھر خوف سے کانپنے لگا۔ میں نے بمشکل اپنے دونوں مشاہدے اس سے بیان کیے۔ میں نے کہا "خدایا! عجیب طرح کی ہولناکی ہے میں نے اپنے کمرے میں تابوت دیکھا اور اب تم کہتے ہو کہ تم نے بھی اپنے کمرے میں تابوت دیکھا ہے .....

(۶)

ہم ——— چوکھٹ پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے ہم دونوں مبہوت تھے ہمیں خیال ہوا شاید ہم سو رہے ہیں یہ شبہ بیک وقت دونوں کے دماغ میں گذرا اس لیے ایک دوسرے کو ٹکے مارنے لگے تاکہ معلوم کریں ہم واقعی جاگ رہے ہیں یا ہم خواب میں ہیں؟

دیا ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی آدمی بے حواسی سے اِدھر اُدھر دوڑ رہا ہے اور زور زور سے پاؤں زمین پر مار رہا ہے۔

فوراً ہی ایک دہشت ناک آواز میرے کانوں میں آئی "مدد! مدد! دوڑو! دوڑو! اور اس کے ساتھ ہی ایک شخص اوپر سے بے تحاشا گرتا ہوا مجھ سے ٹکرایا سارروف اسارروف! دوست تم ہو؟ کیا ہوا میں بے اختیار چلا اُٹھا کیونکہ یہ شخص میرا دوست ساروف ہی تھا۔

زینے پر دھندلی روشنی تھی سارروف نے آتے ہی دیوانہ وار میرے مونڈھے پکڑ لیئے وہ تمام بدن سے کانپ رہا تھا چہرہ زرد تھا آنکھیں عجیب قسم کی وحشت ظاہر کر رہی تھیں سارروف! میں پھر چلایا۔

ایکموف"! اس کی لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی " ایکموف تم" ہو تم؟ کیا واقعی تم ہی ہو؟" اس نے مجھے بغور دیکھا اور لمبی سانس لی۔

یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ مردے کی طرح پیلے پڑ گئے ہو اور تمھاری صورت کیسی ڈراونی ہو رہی ہے؟ بالکل مُردہ معلوم ہوتے ہو" میرا جواب تھا۔

ٹھہرو" اس نے جلدی سے کہا ذرا دم لینے دو، آہ میں اس وقت تم سے مل کر کتنا خوش ہوا ہوں؟ جان جاتے جاتے بچی مجاذرات ارواح

ہم نے جھک کر دیکھا تابوت بالکل خالی تھا نعش کی جگہ ایک لفافہ پڑا تھا۔

(۸)

میرے دوست نے لفافہ اٹھالیا اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کھولا اس کے اندر حسب ذیل سطریں مرقوم تھیں:-

میرے پیارے دوست سارونٹ!

تمھیں معلوم ہے کہ ہماری حالت کس درجہ بگڑ چکی ہے۔ مختصر لفظوں میں واقعہ یہ ہے کہ میرا بھائی دیوالیہ ہوگیا ہے کل اس کا تمام سامان نیلام ہوجائے گا تم جانتے ہو اس کی دوکان میں تابوتوں کے سوا کچھ نہیں ہے (کیونکہ شہر بھر کے لئے یہی تابوت مہیا کرتا ہے) اب ہمارے لیئے فقر و فاقہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ہمارے خاندان نے مشورہ کے بعد طے کیا ہے کہ جتنے تابوت بھی راتوں رات نکالے جا سکتے ہیں نکال دیئے جائیں تاکہ وہ نیلام سے بچ جائیں چنانچہ اپنے دوستوں کے یہاں ایک ایک تابوت بھیج رہا ہے۔ ایک تابوت تمہارے یہاں بھی رکھوا دیتے ہیں تم مطمئن رہو ایک ہفتہ سے زیادہ تمھیں اس کی حفاظت نہیں کرنی پڑے گی اور ہم اس کے لیئے تمہارے اور تمام دوستوں کے نہایت شکر گذار رہوں گے۔

تمہارا مخلص

"ایون گوڈین"

"نہیں ہم خواب میں نہیں ہیں" سارو ف نے کہا" ہم مکے کی چوٹ محسوس کرتے ہیں ضرور جاگ رہے ہیں ہم نے جو تابوت دیکھے ہیں یقیناً وہ تابوت ہی ہیں ہمارا وہم وخیال نہیں ہے اب بتاؤ کیا کریں۔

اب ہم مکان کی سیڑھی پر آکر کھڑے ہو گئے اور دیر تک سوچتے رہے، کیا کرنا چاہیئے؟ آخر طے ہوا کہ ہمت کر کے اوپر چلیں اور نوکر کو جگا کر کمرے میں جائیں۔

(۷)

نوکر ہاتھ میں شمع لیئے ہوئے اندر گیا ہم پیچھے پیچھے چلے واقعی کمرے کے عین وسط میں ایک تابوت رکھا تھا۔ اس میں سفید پشمین چادر پڑی تھی کناروں پر سونے کے تاروں کا کام تھا جا بجا چاندی کے پھول۔

تابوت دیکھکر نوکر نے اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔

اب ہم حقیقت معلوم کر سکتے ہیں میرے دوست نے رک رک کر کہا کیونکہ وہ پورے جسم سے کانپ رہا تھا" دیکھنا چاہیئے معلوم نہیں کیا ہے؟ تابوت خالی ہے یا اس میں کوئی لاش رکھی ہے؟

بڑے پس وپیش کے بعد ساروف نے ہمت کی چند قدم آگے بڑھے اور تابوت کا ڈھکنا اُلٹ کر پیچھے ہٹ گیا۔

(۹)

اس واقعہ کے بعد تین مہینے تک میں اپنے اعصاب کا علاج کرتا رہا اب تک یہ حالت ہے کہ جب کبھی شام کو گھر لوٹتا ہوں تو دروازے پر خوف سے رُک جاتا ہوں کمرے میں تابوت کا منظر یاد آجایا کرتا ہے۔